Lesson 6: Nahl (Ayaat 96- 113): Day 24

سُورَةُ النَّحْلِ کی تفسیر

ابھی تک جتنا بھی سبق پڑھا اس سے یہی سمجھ آئی ہے اور وہ ہے ”تدریج“۔ پہلے ”نَزَّلَهُ“ کی بات ہوئی، پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اترنا، پھر نسخ اور منسوخ کی بات ہوتی ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کی طبیعت کے مطابق دین بھیجتے ہیں۔

جب آخری آیات پڑھیں گے تو آپ خوش ہو جائیں گے۔ ایسے لگتا ہے کہ کسی نے ہمیں اتنی بہترین طریقے سے تبلیغ کرنا سکھایا ہی نہیں، جتنے خوبصورت طریقے سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے وہاں تذکرہ کیا ہے۔ تو جب بھی زندگی میں کوئی تبدیلی لائیں تو اُس میں تدریج رکھیں۔ تھوڑی تھوڑی چیز کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ ایک عمارت فوراً نہیں بن جاتی۔ اگر وہ جلدی بنے گی تو اتنی ہی جلدی گر بھی جائے گی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخصیت دوبارہ ڈھل کے نیا بن جائے۔ دوسروں کو رعایت دینی چاہیئے۔ کچھ لوگ بہت پیچھے سے پلٹ کے آتے ہیں۔ جیسے کچھ داغ جلدی ڈھل جاتے ہیں اور کچھ بہت ساری ڈھلائیوں کے بعد جاتے ہیں۔ کسی کے بارے میں کبھی فتویٰ نہ دیں۔ اس طرح لوگوں کو دین کی طرف آنا اور مشکل ہو جاتا ہے۔ انسان کو بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ کی گئی بات زیادہ سمجھ آتی ہے۔

جو لوگ اس قرآن کے سفر میں پُرانے ہیں وہ خود کہتے ہیں کہ جب بچے تھے تو قرآن اور طرح سے سمجھ آتا تھا، شادی سے پہلے سنا تو اور طرح سمجھ آئی اور جب شادی کے بعد سنا تو بالکل مختلف لگا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ یہ کتاب انسان کے ساتھ بڑی ہوتی ہے۔ آپ اس کتاب کو زندگی گزرنے کے ساتھ ساتھ اور رنگ میں سمجھتے ہیں۔ علماء کی بات بڑی مشہور ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد

قرآن بہت اچھا سمجھ آتا ہے۔ کیوں کہ اُس وقت تک انسان بہت حقیقت پسند ہو چکا ہوتا ہے، فالتو خواہشات بہت کم ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان چیزوں کے کم ہونے سے انسان اپنے آپ کو مطمئن پاتا ہے۔ اب اُن حالات کو سامنے رکھیں جن حالات میں یہ قرآن اتر رہا تھا۔ مشکل ترین دور تھا۔ اسلام کی قیمت پہ لوگوں کو لوہے کے لباس پہنا کر دھوپ میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ حضرت بلالؓ کا مالک اُنہیں لوہے کی ذرہ پہناتا اور اُنہیں دھوپ میں کھڑا کر دیتا۔ وہ 'احد'، 'احد' پکارتے، کبھی کو نلوں پہ لٹا دیتے۔ پیچھے تدریج کی بات تھی تو اب یہاں ایک رخصت دی گئی۔ اللہ کے نبیؐ نے کسی کو کوئی مشورہ نہیں دیا کہ چلو چھوڑو، اللہ کو تو تمہارے دلوں کا پتا ہے۔ صرف ایک استثنا کی یہ بات ملتی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ اس سے ہم اپنے لیے کیا سبق لیتے ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا
فَعَلَيْهِمْ عَذَابٌ مِنَ اللَّهِ وَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾

جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے (وہ اگر) مجبور کیا گیا ہو اور دل اس کا ایمان پر مطمئن ہو (تب تو خیر) مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کر لیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔

انسان کفر تب کر سکتا ہے جب اُسے جان کے لالے پڑے ہوں۔ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ سوائے اس کے کہ جو شخص مجبور کر دیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان سے بھرا ہو۔ یعنی کسی کی جان پہ بنی ہے۔ کوئی گن پوائنٹ پہ کہے کہ یا تو کفر کا کلمہ بولو یا تمہیں مار دیا جائے گا۔ اُس وقت اُس کا دل ایمان پر متفق ہو لیکن صرف اپنی جان جانے کے ڈر سے اور اس سوچ سے کہ ایک ایمان والا ناحق مارا جائے گا تو

وہ کہہ سکتا ہے کہ ٹھیک ہے جو تم کہہ رہے ہو لیکن دل ایمان سے بھرا ہو۔ اسکو پھر معذور سمجھا جائے گا۔ ہاں لیکن **وَلٰكِنْ مِّنْ شَرِّ مَا لَبَّاسًا لِّمَنۡ شَرَّحَ بِالۡكُفْرِۙ صَدۡرًا** مگر جس نے کھول دیا کفر کے ساتھ اپنا دل، (اللہ کسی کو ایسا نہ کرے) ایسے لوگوں کا حال یہ ہے **فَعَلِيۡهِمۡ غَضَبٌۭ مِّنَ اللّٰهِ وَهَلۡمُ عَذَابٌۭ عَظِيۡمٌۭ** اس پر اللہ کا غضب ہے اور ایسے سب لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔ بظاہر یہ آیت جنرل ہے لیکن اس کے پیچھے ایک واقعہ ہے۔ اس وقت جب مسلمانوں پر ظلم و ستم ہو رہا تھا۔ ناقابل برداشت قسم کی اذیتیں دے کر کفر پر مجبور کیا جاتا تھا۔ تو اس وقت عمار بن یاسر کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا۔

عمار بن یاسر وہ تھے کہ جن کی والدہ سمیہ اسلام کی پہلی شہیدہ تھیں۔ اسلام کے لئے جان دینے والی سب سے پہلے کوئی مرد نہیں ایک خاتون تھی اور جس نے سب سے پہلے اس وحی کو اخذ کیا وہ بھی کوئی مرد نہیں ایک عورت تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ تو سب سے پہلے اپنے عورت ہونے پر خوشی محسوس کریں۔ یاسر باپ تھے اور عمار بیٹا تھا، بی بی سمیہ ماں تھی۔ یہ خاندان ابو جہل کا غلام تھا۔ ایک موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزر رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ ابو جہل نے سمیہ، عمار اور ان کے خاندان والوں کو جلتی ہوئی ریت پر لٹایا ہوا ہے تو اس وقت اللہ کے نبیؐ نے ان کو وہاں کھڑے ہو کر کہا تھا کہ یاسر کے گھر والو، صبر کرو۔ میں تمہیں جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔ بی بی سمیہ کو ایسے ظلم سے مار دیا کہ ان کے جسم کو دو حصوں میں چیر دیا گیا اور اسی طرح باپ کو بھی مار دیا گیا۔ عمار اس موقع پر بچ گئے لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات ہوئے کہ کفار نے ان کو پکڑا۔ پہلے ان کے باپ کو مارا، ان کی ماں کو مارا، اس وقت یہ بچے

تھے۔ کفار نے کہا کہ اگر جان بچانا چاہتے ہو تو ہمارے معبودوں کو اچھا کہو اور نبیؐ کو بُرا بھلا کہو۔ انہوں نے جان بچانے کیلئے جو وہ چاہتے تھے وہ کہہ دیا۔ جان بچانے کے بعد روتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مجھے نہیں چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو بُرا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہا۔ اللہ کے نبیؐ نے یہ سنا تو پُر سکون رہے۔ ہم ہوتے تو جذبات میں آجاتے۔ جذباتی رویے انسان کو بے سکون کر دیتے ہیں۔ اگر آپ خوش رہنا چاہتے ہیں تو ان جذباتی رویوں کو بدل لیں۔ یہ چیز انسان کی زندگی کو اجیرن کر دیتی ہے۔

اللہ کے نبیؐ میں تحمل تھا، انہوں نے سکون سے بات سنی اور کہا کہ یہ بتا! تیرے دل کا حال کیا ہے۔ عمار بولے کہ میرا دل تو ایمان پر پوری طرح سے مطمئن ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ اگر وہ تمہارے پر دوبارہ ظلم کریں تو یہی باتیں کہہ دینا کیوں کہ اللہ کو پتہ ہے کہ یہ میرا بندہ ہے۔ اللہ کو پتہ ہے کہ ایک بندہ وقت اور حالات کے مطابق اور اسلام کو فائدہ دینے کے لئے ایسا کر رہا ہے۔ اگر عمار بن یاسر کو وہ اس وقت مار دیتے تو جو مسلمان پہلے ہی آٹے میں نمک کے برابر تھے، ان میں اور کمی ہو جاتی۔ زندگی میں بعض دفعہ ایسے حالات آتے ہیں کہ انسان اپنی ذات سے ہٹ کر اسلام کے بارے میں سوچتا ہے۔ ایسے وقت میں کوئی کسی کو مجبور کر دے تو اللہ نے رخصت رکھی ہے۔

- جینے کے دو ہی انداز ہیں۔ ایک عزیمت کا اور ایک فرائض کا۔

عمار بن یاسر کے ماں باپ نے عزیمت کا راستہ اختیار کیا۔ ایسے ہی لوگوں کی قربانیوں نے آج ہمارے لئے دین پر عمل آسان کیا۔ یہ لوگ وہ مثالیں قائم کر گئے کہ جس کے بعد آخر کار کفر کا زور ٹوٹا۔ یہ رخصت ہے، یہ پسندیدہ عمل نہیں ہے لیکن ہمارا دین بہت نرم ہے۔ جب کچھ لوگ رخصت کے درجے پر آجاتے ہیں تو ان لوگوں کے لئے بھی راستہ کھل جاتا ہے جو بالکل کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ آخری آیات میں اس موضوع کو بہت اچھی طرح سمجھیں گے اور اس موضوع کے سننے کے بعد ہمارے دل سے یہ شکوہ نکل جائے گا کہ میرے بچے، میرا شوہر، میرے گھر والے میری نہیں سنتے۔

بہت ساری ایسی کہانیاں ہیں کہ جن کو سننے کے بعد دل پہ پگھلتا ہے۔ ایسے مسلمان تھے کہ آگ کے انگاروں پر لٹایا گیا یہاں تک کہ چربی پگھلنے سے آگ بجھ گئی مگر وہ سختی سے ایمان پر جمے رہے۔ حبیب بن زید کا نام آتا ہے ان کو زید بن عاصم بھی کہتے ہیں۔ ان کے جسم کا ایک ایک عضو مسلمہ بن کذاب کے حکم سے کاٹا جا رہا تھا۔ انگلی کاٹتے اور پھر کہتے کہو مسلمہ نبی ہے۔ اسی طرح تمام اعضاء کاٹتے مگر آپ کی زبان پر ایک ہی کلمہ تھا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ۔

عبداللہ بن فضالیہ کے بارے میں ابن اسحاق کی ایک روایت میں آتا ہے قیدی ہو کر کسی عیسائی بادشاہ کی قید میں آگئے۔ اس بادشاہ نے کہا اگر تم اپنا دین چھوڑ کر میرے دین پر آ جاؤ تو میں تمہیں اپنی بادشاہت میں شامل کر لوں گا۔ اور اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دے دوں گا۔ کہنے لگے کہ تو اپنی بادشاہت کی بات کرتا ہے اگر تو پوری بادشاہت بھی دے دے تو میں اس سودے کو قبول نہیں کروں گا۔ اس جواب سے بادشاہ کی انا پر چوٹ پڑی۔

بادشاہ نے ان کو لٹکا دیا اور تیر مارنے کا حکم دیا لیکن یہ پھر بھی نہ ہٹے۔ بادشاہ نے حکم دیا

کہ پیتل کی ایک دیگ لے کر آؤ، اس میں ابلتا ہوا تیل ڈالا اور قیدیوں میں سے ایک قیدی کو لا کر اس میں ڈال دیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے وہ قیدی جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ منظر دکھا کر بولا اب بول۔ کہا نہیں ہٹوں گا۔ بادشاہ بولا کہ پھر اس انجام کے لئے تیار ہو جاؤ ایک دیگ لائی گئی اور اس میں تیل گرم کیا گیا۔ جب ان کو اس دیگ کے پاس لایا گیا تو وہ رونے لگے۔ بادشاہ بہت خوش ہوا کہ شاید یہ اپنے ایمان سے پلٹ جانے لگا ہے۔ بادشاہ نے فوراً روک دیا کہ اسے تیل میں نہ پھینکا جائے۔ بادشاہ نے کہا سناؤ پلٹتے ہو، کہا نہیں میں اس لیے نہیں رو رہا۔ رونا تو اس بات کا ہے کہ میری صرف ایک جان ہے، اگر ہزار جانیں ہوتیں تو میں ہر جان کا ہر عضو اللہ کی راہ میں دیتا، جو خوشی مجھے اس وقت ہو رہی ہے۔ بادشاہ کو سمجھ آگئی کہ اسے مارنے کا کوئی فائدہ نہیں کہنے لگا اچھا ٹھیک ہے تم میرے صرف ماتھے پر بوسہ دے دو۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ آپ آگے بڑھے اور بادشاہ کے ماتھے پر بوسہ دے دیا۔ بادشاہ نے کہا ان کو چھوڑ دو۔ یہ ایک سچے مومن کا رعب ہوتا ہے۔ یہاں سے نکلے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دور خلافت کا یہ واقعہ ہے۔ انہوں نے پوری کہانی سنی اور کہا کہ ہم سب کا حق بنتا ہے کہ ہم عبد اللہ کے ماتھے کا بوسہ لیں اور میں پہل کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ماتھے کا بوسہ لیا۔ وہ جلتے ہوئے تیل کے اوپر سے اتار لئے گئے، لیکن ہم بہت جلدی ہمت ہار دیتے ہیں۔

اپنے ہی دوستوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ دیکھو تم اپنا گھر تو نہ خراب کرو۔

چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہم نے چھوٹے چھوٹے خدا بنائے ہوئے ہیں۔ آپ کا ایمان جتنا مضبوط ہوگا اور کردار جتنا پختہ ہوگا، لوگوں کے دل آپ کے رعب سے بیٹھنے لگیں گے۔ آپ کہیں بھی جائیں، یقین اور ایمان کے ساتھ چلیں، کوئی بھی آپ کا راستہ نہیں روک سکے گا، شرط یہ ہے کہ آپ کا دل ایمان سے جڑا ہو۔ جب ہوا چلتی ہے تو درخت سے کمزور اور کچے پتے جھڑنے لگتے ہیں۔ مخالفتوں کی، آزمائشوں کی ہوائیں اسلام کو بے کار لوگوں سے پاک کرتی ہیں۔

اسی طرح ایک واقعہ صحیح مسلم میں آتا ہے۔ ایک جگہ تھی وہاں پر مشرکوں نے ایک بت رکھا تھا۔ ہر گزرنے والے سے کہتے کہ اس بت کا چڑھاؤا چڑھاؤ۔ پھر ہم تمہیں گزرنے دیں گے۔ دو لوگ ادھر سے گذر رہے تھے۔ کہا اس پر کچھ چڑھاؤ، انہوں نے کہا ہم بتوں کو نہیں مانتے۔ انہوں نے کہا کچھ بھی چڑھاؤ ورنہ ہم تمہیں مار دیں گے جانے نہیں دیں گے۔ کہنے لگے ہم کیا چڑھائیں، ہمارے پاس کچھ نہیں۔ کہا یہاں سے مکھی لو اور اُسے مار کے اس پر چڑھاؤ۔ ایک شخص نے مکھی لی اور اسے مار کے چڑھا دیا، اسے کہا تم جاؤ۔ اب دوسرا شخص اٹک گیا، اس نے کہا کہ مکھی کو بھی میرے رب نے پیدا کیا ہے۔ میں اس کو بھی نہیں چڑھاؤں گا، یہ بھی شرک ہوگا۔ اس بات کو سن کر انہوں نے اس شخص کو مار دیا۔ اللہ کے نبیؐ کو وحی کے ذریعے بتایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو خبر دی، پہلا شخص مکھی کو چڑھانے کی وجہ سے جہنم میں چلا گیا اور دوسرا شخص ڈٹ جانے کی وجہ سے اللہ کے پاس پہنچ گیا۔

ہم دین کے لیے سٹینڈ لینے والے تو بنیں، اللہ فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد کرے گا۔ آج وہ ایمان ہی نہیں جو اللہ کی مدد کو پکارے۔ ہمارے اندر احساس کمتری بہت ہے۔ ہماری تین نسلوں نے تو غلامی دیکھی ہے۔ ہم سب غلامی کی پیداوار ہیں۔ جب تاریخ لکھی جائے گی تو 18 اور 19 ویں صدی کو لکھا جائے گا۔ 18 ویں صدی میں علامہ اقبال نے اس درد کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔ آج کے دور کا ایمان نفس کے بُت پر بکتا ہے۔ ہم نماز تو پڑھتے ہیں لیکن اللہ کو ایسی نمازوں کی ضرورت نہیں جن کو پڑھنے کے بعد نہ دل میں کوئی حرکت ہو اور نہ دل بدلے۔

ایسے لوگوں کی باتیں پڑھتے وقت اپنا محاسبہ کریں۔ اگر عمار کی جگہ میں ہوتی تو میرا عمل کیا ہوتا اور کیا میں آج کے حالات میں عمار جتنی مجبور کر دی گئی ہوں۔ شادی ہونے کے ساتھ ہی شوہر کو خدا بنا لیتے ہیں۔ **إِلَّا مَن أَكْرَهَ** یہاں سے ایک سائنڈ ایشو بھی سمجھ لیں کہ علماء کہتے ہیں کہ جب کسی کو غلط کاموں پہ مجبور کیا جائے کہ تو وہ مجبور ہو کے غلط کام کرتا ہے تو وہ بھی گناہ ہے لیکن اُسکی شدت کم ہوگی اور اگر اللہ چاہے تو اُسے معاف کر دے۔ مسند احمد کی روایت ہے کہ چند لوگ مرتد ہو گئے۔ حضرت علی نے ان کو آگ میں جلوا دیا۔ حضرت ابن عباس کو یہ بات پتہ چلی تو کہنے لگے کہ میں تو انہیں کبھی بھی آگ میں نہ جلاتا کیونکہ نبی کا حکم ہے کہ اللہ کے عذاب جیسا تم کسی کو عذاب نہ دو۔ بے شک میں ان کو قتل کروا دیتا۔ کیوں کہ اللہ کے نبی کا حکم ہے کہ جو اپنا دین بدل دے پھر اسے قتل کر دو۔ جب یہ بات حضرت علی تک پہنچی تو کہنے لگے کہ ابن عباس کی ماں پر افسوس۔ (بخاری کی روایت ہے)۔

اس میں میرے اور آپ کے لیے یہ بات ہے کہ اگر کوئی مسلمان حکومت میں رہتے ہوئے اپنا دین بدل لے تو حکمران کے پاس حق ہے کہ وہ اسے مار سکے (عوام کے پاس یہ حق نہیں)۔ مسند احمد میں آتا ہے موسیٰ ابو العشری کے پاس یمن سے معاذ بن جبل تشریف لائے۔ دیکھا کہ ان کے پاس ایک شخص ہے، پوچھا یہ کون ہے، جواب ملا کہ یہ یہودی تھا، مسلمان ہو گیا۔ اب پھر یہودی ہو گیا ہے، ہم تقریباً دو ماہ سے اسے اسلام پر لانے کی کوشش میں ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ واللہ میں کبھی نہیں بیٹھوں گا جب تک کہ تم اس کی گردن نہ اڑا دو۔ کیونکہ یہی فیصلہ ہے اللہ اور اس کے رسول کا کہ جو کوئی اپنے دین سے لوٹ جائے اسے قتل کر دو، یا فرمایا کہ جو اپنے دین کو بدل دے۔

ان ساری باتوں سے پتہ چلا کہ حالات اور واقعات دیکھے جائیں گے۔ اپنے لئے عمل کی بات لکھیں کہ کسی کو کسی مشکل میں دیکھیں، کسی کا گھر ٹوٹے کسی کے بچوں کے نافرمان ہوتے دیکھیں یا کسی بھی طرح کی مشکل میں دیکھیں تو کبھی اسے یہ مشورہ نہ دیں کہ تم دین چھوڑ دو۔ آج کوئی یہ نہیں کہتا کہ اسلام چھوڑ کر کفر پر آ جاؤ لیکن ہم حجاب چھڑوا دیتے ہیں، قرآن کی تعلیم چھڑوا دیتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں انسان کی اللہ کی نظروں سے قدر ختم کر دیتی ہیں۔ اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ اتنی جلدی دین سے پیچھے ہو جاتے ہیں؟

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلٰى الْآخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ ﴿١٠٤﴾

یہ اس لیے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا، اور اللہ کا قاعدہ ہے

کہ وہ اُن لوگوں کو راہ نجات نہیں دکھاتا جو اُس کی نعمت کا کفران کریں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَتْهُمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿١٠٨﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں اور کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے یہ غفلت میں ڈوب چکے ہیں۔

انکا ابدی انجام کیا ہے

لَا جَزَاءَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْخٰسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ضرور ہے کہ آخرت میں یہی خسارے میں رہیں۔

یہاں پہ بات ختم ہوئی ہے جو شروع ہوئی تھی **ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** سے۔ **اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** حبِ دنیا۔ حدیث کا خلاصہ ہے اور اس کا مطلب ہے دنیا کی محبت ہر خطا کی جان ہے، اس کا سر ہے۔ ہر برائی دنیا کی محبت سے شروع ہوتی ہے۔ دنیا کی محبت حق سے منہ موڑ کر غافل بنا دیتی ہے۔ آپ سوچیں کہ کیا آج لوگ غافل ہیں، کیا آپ کو غفلت نظر آتی ہے **اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** اس کے بعد آپ کو دنیا میں جہالت نظر آتی ہے **اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا**۔ یہ دنیا انسان کو رسوا کر دیتی ہے۔ کل کی اخبار میں ایک امریکن کامیڈین کے مرنے کی خبر تھی۔ وہ ساری زندگی لوگوں کو جھوٹ بول کے ہنساتا رہا، اتنی دولت کمائی لیکن اس دنیا نے اسے کیا دیا، کچھ بھی تو نہیں۔ **اللہ کے نبیؐ نے فرمایا کہ اس شخص کے لیے ویل ہے جو جھوٹ بول کر لوگوں کو ہنسائے۔** اس شخص نے خود کشی کی۔ تو اگر دنیا خوشیاں دیتی تو یہ لوگ خود کشی کیوں کرتے۔ ہر دل کی اپنی کیفیت ہوتی ہے لیکن میرا دل کرتا ہے کہ میں ہر وقت سجدے میں رہوں اور اللہ سے کہوں کہ اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے مسلمان بنایا اور قرآن کی تعلیم دی۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس قرآن کی آواز پر لبیک نہیں کہتے، صرف بہانے اور عذر تراشتے ہیں۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ

جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتیں ہیں زنجیریں

ہماری کیا حیثیت کہ ہم مسلمان ہوتے۔ ہمیں اگر چوائس دی جاتی تو کیا ہم اسلام کو چھنتے۔ ہم تو اسلام کو رشتوں کی طرح بس نبھا رہے ہیں۔ آج ہم وہ مسلمان نہیں ہیں جن پر مان کر کے اللہ کافروں کو چیلنج کرے۔ اگلی آیات میں اللہ فرماتا ہے کہ صرف ایمان لانے سے بات نہیں بنتی اصل کام تو اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔

ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی اور دوسری کے بعد پھر تیسری اور نیکیاں ہی نیکیوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس لیے فرمایا؛

ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا أَنَّهُمْ جَاهِدُوا وَأَصْبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾
 بخلاف اس کے جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب (ایمان لانے کی وجہ سے) وہ ستائے گئے تو انہوں نے گھربار چھوڑ دیے، ہجرت کی، راہ خدا میں سختیاں جھیلیں اور صبر سے کام لیا، ان کے لیے یقیناً تیرا رب غفور و رحیم ہے

ثُمَّ میں تاخیر ہے۔ یعنی تمہاری زندگی میں جو بھی ہے، کبھی تم عزیمت کے راستے پر جیتے ہو اور کبھی فرائض کے راستے پر، کبھی مجبوریوں کے نام پر غلطیاں کرتے ہو۔ تو یاد رکھو ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا پھر آپ کا رب ان کے حق میں جنہوں نے ہجرت کی مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا اس کے بعد کہ انہیں تکلیف پہنچائی گئی۔ ثُمَّ جَاهِدُوا پھر انہوں نے جہاد کیا۔ کیا ہجرت کے بعد نیکی کی ضرورت نہیں رہتی، تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہجرت نیکیوں کا راستہ بند نہیں کرتی۔ ہجرت سے تو نیکی کے راستے کھلتے ہیں۔ پچھلے گناہ چھوڑنے کے بعد اب آگے نیکیاں بھی کرنی ہیں۔

وَصَبِرُوا[ۗ] اور صبر کیا، إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا غَفُورٌ رَحِيمٌ یقیناً آپ کا رب ان سب کے بعد بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ آیت کے آخری حصے کو دیکھیں اللہ نے کہا۔ پہلے ہجرت، ہجرت کرنا بہت تکلیف دہ عمل ہے۔ اپنی جگہ کو چھوڑنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ پھر فتنوں، آزمائشوں سے نکل کے جہاد، پھر صبر، اور اتنے کاموں سے نکل کے پھر اللہ بخشنے گا۔ ہم سوچتے ہیں کہ نہ ہجرت کریں، نہ کسی فتنے اور آزمائش میں پڑ کے جہاد کریں، نہ صبر کریں لیکن اللہ ہمیں ضرور بخشنے گا کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔ بَعْدِهَا، کچھ کاموں کے کرنے کے بعد اللہ غفور الرحیم ہوتا ہے۔

مومنین پر مکہ میں مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ انہوں نے ہجرت کی اور مدینہ میں آنے کے بعد اللہ کے نبی کے ساتھ مل کر جہاد کرتے رہے۔ حق کے راستے کی آزمائشیں دیکھیں، صبر کیا۔ اللہ عمار بن یاسر کو اتنی سی بات کہنے پر کیا پکڑ لے گا کہ وہ مہاجر بھی ہیں مومن بھی ہیں اور صابر بھی ہیں۔ تو اللہ ایسے لوگوں کو ضرور بچائے گا۔ ان آیتوں میں خاص طور پر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ یہاں ایسے لوگوں کی صفات بیان کرتا ہے۔ ہم سب بھی اس کو اپنے لئے عمل کا نقطہ بنائیں۔ اپنی زندگی کا طریقہ بدلنا اور اس کو چھوڑ کر دوسرے راستے پر جانا، یہ بہت مشکل لگتا ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ہم سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ یہ بندہ کتنا سچا ہے۔ ہجرت انسان کے سچا ہونے کی دلیل ہے۔ بہت ساری نیکیاں ہم ایسے ہی کر لیتے ہیں۔ ہم ایک روٹین میں قرآن کی کلاس میں آتے ہیں۔ اس سے پتہ نہیں چلتا کہ کون دل

سے آتا ہے، لیکن پتہ اس دن چلتا ہے جب ہماری دنیا پر چوٹ پڑتی ہے۔ جس وقت ہم اپنی زندگی میں کسی آزمائش میں ہوتے ہیں۔ خود سے پوچھیں کیا آج میرا کلاس میں آنا ممکن تھا یا میرے گھر کے حالات ایسے تھے کہ میں کلاس میں آتی یا میں جہاد کر کے آئی ہوں۔ پھر اللہ کی نظروں میں آپ کو اپنی قیمت نظر آجائے گی۔ وہ وقت جب ہم مشکلوں میں ہوتے ہیں، اللہ کی بات ماننا اللہ کی مدد لاتا ہے۔ پھر اس سے ایمان بھی ملتا ہے۔ ڈھیلی ڈھالی کو ششیں، ڈھیلا ڈھالا ایمان۔

صحابہ کو دیکھیے پہلے مکہ سے ہجرت کی پھر حبشہ گئے، پھر واپس آئے، پتہ چلا کہ مکہ والے مسلمان نہیں ہوئے پھر واپس حبشہ گئے۔ وہاں سے نکلے تو مدینہ میں آئے۔ تو پھر انکا انجام **لَعْفُورٌ سَّاحِجِمْ** ہوگا۔ مومن کو چین نہیں آتا۔ جب انسان حق کی پکار پر لبیک کہتا ہے تو مخالفت ضرور ہوتی ہے۔ اگر مخالفت قابل برداشت ہو تو انسان گزارا کر لیتا ہے لیکن جب مخالفت بڑھتی ہے تو انسان واپس پلٹنے کی سوچتا ہے۔ پھر وہی پرانے رسم و رواج، پھر وہی پرانی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ بہت جلدی پیچھے ہٹ جاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ خوشی، غم، رمضان، بچے کا آنا یہ سب عذر ان کے پاس موجود ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگ پھر اس کے بعد واپس نہیں آتے۔ اِلا یہ کہ اللہ دوبارہ انہیں پٹری پر چڑھا دے۔ لوگوں کے ساتھ چلنا آسان لگتا ہے، چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔

حدیث کا خلاصہ ہے کہ کفر کی طرف پلٹ جانا انسان کو اتنا ناگوار لگے جیسے ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ لینا۔ ہم نیکیوں کو بہت عام سطح پر لیتے ہیں۔ ہم نیکیوں کا ارادہ کرتے ہیں لیکن پھر

چھوڑ دیتے ہیں۔ رمضان کی نیکیوں کو اور رمضان کے بعد کی نیکیوں کو دیکھ لیجئے۔ شیطان بھی ہم پر ہنستا ہو گا کہ ان کے سارے وعدے ختم ہو گئے۔ ہم نے رمضان کے دنوں میں اور آخری راتوں میں کیا کیا عہد و پیمانے باندھے تھے اور آج وہ سب ختم ہو گئے، کیونکہ **اسْتَكْبَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا**، پھر وہی دنیا، بچے، گھر اور کچھ لوگ تو عید کی پارٹی کے بعد ہی کلاس میں نہیں آتے۔ ہم سوچ لیتے ہیں کہ ہم نے بہت نیکیاں کر لیں اور رمضان کے بعد شیطان بہت زیادہ پیچھے لگ جاتا ہے۔ یہ بالکل ایسے ہے جیسے چور ہمیشہ بھرے گھر میں جاتا ہے جہاں اس کو پتہ ہو کہ مال ملے گا۔ رمضان میں آپ نے خوب نیکیاں کی ہوتی ہیں۔ نماز، قرآن، قیام الیل، اذکار، شیطان کو پتہ ہے کہ آپ آج کل بہت امیر ہیں۔ اس لئے آج کل شیطان آپ پر حملے کر رہا ہے۔ وہ عقلمند ہے بے وقوف نہیں ہے۔ **انسان جتنا دین میں آگے بڑھتا ہے شیطان اتنا ہی اس پر وار کرتا ہے۔ ایسے وقت میں انسان کو چاہیے کہ اللہ کے لیے اپنی من پسند چیزوں کو پیچھے رکھے۔**

سب سے پیاری ہجرت یہ ہے حدیث میں آتا ہے مہاجر وہ ہے جو ہر اس چیز کو چھوڑ دے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے چھوڑا۔ گناہوں سے ہجرت کرنی ہے۔ اللہ کی اطاعت نہیں چھوڑنی۔ جگہ، حالات، رشتہ داریاں چھوڑ دیں لیکن اللہ کو نہیں چھوڑنا۔ ہر اس جگہ کو دل کھول کر چھوڑ دیں جہاں بیٹھ کر اللہ کے حکم کی نافرمانی ہو۔ آج ہم ظاہری ہجرتیں کرتے ہیں۔ بڑا گھر لینے کے لئے دوسرے علاقے میں چلے جاتے ہیں، بچوں کو اچھے اسکول میں بھیجنے کے لئے ان کے سکول کے نزدیک ہجرت کر لیتے ہیں لیکن گناہوں سے ہجرت

نہیں کرتے۔ اللہ کے نبیؐ نے ہر ہجرت کر کے دکھائی۔ خود کو ہر اس چیز سے دُور رکھیں جو اللہ کے راستے میں رکاوٹ بنے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر رہے تھے تو ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے ابھی مکہ نظر آرہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے مکہ مجھے تجھ سے بڑا پیار ہے، اگر لوگ مجھے مجبور نہ کرتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔ مدینہ جانے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کو کئی دن بخار رہا اور مکہ میں خبر پھیل گئی کہ سب مدینہ جا کر بیمار ہو گئے۔ لیکن وہ ہماری طرح نہیں تھے کہ بیٹھے رہتے، مکہ میں ان کے اپنے گھر تھے، جائیدادیں، کاروبار تھے۔ ہر خواہش قربان کی جاسکتی ہے لیکن اللہ کے حکموں کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

ہمیں آج باہر کی رکاوٹوں سے زیادہ اندر کی رکاوٹیں ہیں۔ اندر سے مضبوط ہوں تو بڑے سے بڑا جراثیم بھی اثر نہیں کرتا لیکن اگر اندر کمزوری ہو تو ہلکی سی ہوا بھی اثر کرتی ہے۔ ہمیں کہیں معاشرہ روکتا ہے، کہیں گھر والے روکتے ہیں۔ ہر طرف سے پریشر بڑھتا ہے اور جب ہم نیکیوں پر آکر پلٹتے ہیں تو دوسروں کو خوش ہونے کا موقع دیتے ہیں۔ جو جہاں کھڑا ہوتا ہے وہیں کھڑا رہتا ہے۔ جو جس درجے پہ تھا وہ آج بھی وہی ہے۔ کچھ لوگ آدھا قرآن پڑھ کے چھوڑ دیتے ہیں، کچھ پورا پڑھ کے بھی نہیں بدلتے۔ جو مانگیں گے اللہ وہی دے گا۔ اللہ کے لئے کچھ کہنا اور بات ہے اور اس پر جمنا اور بات ہے۔ استقامت کی قیمت ہے۔

درختوں پر حسن کی وجہ یہ ہے کہ وہ جمے رہتے ہیں، ان پر پھل لگتا ہے۔ کٹا ہوا درخت کسی کو اچھا نہیں لگتا تو ہم بھی اپنے دین سے ہٹ کر اچھے نہیں لگتے۔ ہم خود کو آئینوں

میں اچھے نہیں لگتے جب ہم اللہ کے راستے کی طرف ہجرت کرنے کی بجائے الٹ رستوں پر ہجرت کرنے لگتے ہیں۔ نیکی چھوڑ کے گناہ پر چلنا بھی ہجرت ہے۔ بادبانی کشتی طوفانوں میں بھی کھڑی رہتی ہے، خوبصورت لگتی ہے۔ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس راستے پر قائم رکھے اور اسی راستے پر ہمیں موت آئے۔ کیسے جمننا ہے؟ اس کے لئے اگلی آیت کا منظر دیکھیں۔ اس آیت میں نفس کے نیچے اپنا نام لکھیں کہ دنیا داریوں کے بغیر گزارا نہیں ہے، تمہیں برادری، خاندان نہیں چھوڑتا تو اس دن کو یاد کرو، جس دن؛

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ مُّجَادِلًا عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهَمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾

(ان سب کا فیصلہ اُس دن ہوگا) جب کہ ہر تنفس اپنے ہی بچاؤ کی فکر میں لگا ہوا ہوگا اور ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہونے پائے گا۔

نفس عربی میں مؤنث ہوتا ہے۔ اگر اسکو صحیح طرح پڑھیں تو جس دن ہر نفس آئے گا اپنی ہی طرف سے جھگڑتا ہوا، اپنا دفاع کرتا ہوا۔ قیامت کے دن ہر بندہ خود اپنا وکیل ہوگا۔ ہر ایک چاہے گا کہ میں کسی طرح جہنم کی سزا سے بچ جاؤں، اور میرا معاملہ آسان ہو جائے۔ وَتُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ اور بدلے میں پورا دیا جائے گا جو اُس نے کیا ہوگا۔ وَهَمْ لَا يُظْلَمُونَ اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ اس آیت کو پڑھتے ہوئے ذہن میں ایک پتلی آتی ہے کہ قیامت کے دن وہ ادھر ادھر بھاگ رہی ہے کہ ہائے مجھے بچائیں مجھے بچائیں۔ انسان اپنے بارے میں دلائل، مجبوریاں پیش کرتا ہوا آ رہا ہوگا۔ وہاں ہر بندہ پریشان ہوگا۔

یہی بات سورۃ عَبَسَ میں آتی ہے کہ اس دن بندے کا حال یہ ہوگا کہ وہ

ایک دوسرے سے بے نیاز ہو گا۔ آج ہماری ساری محبتیں اس دنیا کے لیے ہیں، جب آگے اصل معاملہ پیش آئے گا تو تمام محبتوں کا تب پتہ چلے گا۔ بہت سخت معاملہ ہو گا۔ سورۃ معارج آیت دس میں آتا ہے **وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا** ﴿۱۰﴾ اور کوئی جگری دوست اپنے جگری دوست کو نہ پوچھے گا۔

يُبْصِرُ وَهُمْ يُؤْمِرُ الْمَجْرِمُ لَوْ يُفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِذِي بَيْنِيهِ ﴿۱۱﴾ حالانکہ وہ ایک دوسرے کو دکھائے جائیں گے مجرم چاہے گا کہ اس دن کے عذاب سے بچنے کے لیے اپنی اولاد کو۔ (خود سے پوچھیں اپنے گھر والوں کے لیے، اپنے بچوں کے لیے کیا کیا جرم کرتی ہوں)

وَصَاحِبَيْهِ وَآخِيهِ ﴿۱۲﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی۔ **وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ** ﴿۱۳﴾ اپنے قریب ترین خاندان کو جو اسے پناہ دینے والا تھا۔ **وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ** ﴿۱۴﴾ اور روئے زمین کے سب لوگوں کو فدیہ میں دیدے اور یہ تدبیر اُسے نجات دلا دے۔

یہ ہے **يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ**۔ اللہ کہے گا **كَلَّا إِنَّهَا لَأَنْظِي** ﴿۱۵﴾ **نَزَّاعَةً لِّلشَّوْطِ** ﴿۱۶﴾ **تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ** **وَتَوَلَّى** ﴿۱۷﴾ **وَجَمَعَ فَأَوْعَى** ﴿۱۸﴾ **إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا** ﴿۱۹﴾۔ ہرگز نہیں وہ تو بھڑکتی ہوئی آگ کی لپٹ ہوگی۔ جو گوشت پوست کو چاٹ جائے گی۔ پکار پکار کر اپنی طرف بلائے گی ہر اُس شخص کو جس نے حق سے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کیا اور سینت سینت کر رکھا، انسان تھڑ دلا پیدا کیا گیا ہے۔ ہم اُس دن دیکھنے والے ہوتے ہیں جب ہمیں دنیا کا کوئی معاملہ پیش آتا ہے۔ قیامت کے دن کوئی ہمارے کام نہیں آئے گا اپنے آپ کو بستر مرگ پر سوچیں۔ ساری دنیا ہماری جان بچانے کی کوشش میں لگ جائے تو نہیں بچا سکے گی، تو ہم قیامت کے دن

کیسے بچیں گے۔ اب آخری دو آیات جن میں بتایا گیا کہ نعمتوں کی ناشکری کرنے والے لوگوں کا کیا انجام ہوتا ہے؟

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١١٢﴾

اللہ ایک بستی کی مثال دیتا ہے وہ امن و اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفرغت رزق پہنچ رہا تھا کہ اُس نے اللہ کی نعمتوں کا کفران شروع کر دیا تب اللہ نے اس کے باشندوں کو اُن کے کرتوتوں کا یہ مزا چکھایا کہ بھوک اور خوف کی مصیبتیں ان پر چھا گئیں۔

واضح پتہ چل رہا ہے کہ کسی بستی کی بات ہے۔ یہ کونسی بستی تھی اس کے بارے میں مفسرین نے بہت ساری باتیں لکھیں لیکن اللہ نے چونکہ نام نہیں دیا تو یہ کھلی بات ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک خیالی بستی ہے جس کی اللہ نے صرف مثال پیش کی کہ جو بستی نعمتوں کی ناقدری کرتی ہے اللہ اس کا یہ حال کر دیتا ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہاں بستی سے مراد گھر بھی ہیں۔ اسم نکرہ ہے تو پھر کوئی بھی گھر ہو سکتا ہے۔ کچھ مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے قوم سبا مراد ہے، سورۃ سبا میں ہم ان کا قصہ پڑھیں گے۔ اللہ نے انہیں بہت کچھ دیا ہوا تھا لیکن انہیں ایڈونچرس بننے کا شوق ہوا اور انہوں نے اللہ سے بہت دور دور کی مسافتیں مانگیں، کچھ کہتے ہیں بنی اسرائیل کی بات ہے۔ کچھ تفاسیر میں یہاں مراد مکہ ہے۔ اللہ نے اپنے آخری نبی کے لئے مکہ کو چنا۔ اس وقت بڑی بڑی قوتیں موجود تھیں۔ اللہ کے نبی وہاں بھی پیدا ہو سکتے تھے۔ کسی امیر علاقے میں پیدا ہوتے، لوگ اللہ کے نبی

کی قدر کرتے، انہیں ہاتھوں ہاتھ لیتے لیکن اللہ نے ایک ایسی بنجر بستی کو چُنا اور کہا کہ آپ ادھر بیٹھیں۔ لیکن لوگوں نے اس نبیؐ کے ساتھ کیا کیا۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو اللہ نے مکہ والوں کے لئے ایسا عذاب رکھا کہ ایک بہت بڑا قحط پڑ گیا۔ سورۃ دخان میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔ لوگوں کو اتنی نقاہت ہو گئی کہ اپنے جانوروں کی کھال تک کھا گئے۔ ان کی اوجھڑی کو کھانا پڑا اور ان کے پانی کو پینا پڑا۔ جب آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو نقاہت اور کمزوری کی وجہ سے آسمان دھندلا نظر آتا تھا۔ بالآخر حضرت عثمان اور دوسرے لوگوں نے اللہ کے نبیؐ کو ہی پیغام بھیجا کہ خدا کے لیے اللہ سے دعا کریں کہ ہمارا یہ عذاب ختم ہو جائے۔ کسی دیندار کی ناقدری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ **آج امت مسلمان جس چیز کی سزا بھگت رہی ہے وہ اس دین کی ناقدری ہے، اس کتاب کی ناقدری ہے۔**

ہم مشینیں بن کے کماتے ہیں۔ اگلے دس سال کا بینکوں میں بیلنس موجود ہے لیکن پھر صبح مشین بن کے اور کمانے چل پڑتے ہیں۔ اور ہم عورتیں اسی طرح خرچ کرنے نکلتی ہیں، بیسیوں چیزیں موجود ہیں لیکن اور خریدنے ہر روز وقت ضائع کرنے نکل پڑتی ہیں۔ اور جہاں دین، قرآن، اسلام کی بات آجائے وہاں مسائل کھل جاتے ہیں۔ خود سے پوچھیں کہ ہم نے اس اسلام کی کتنی قدر کی۔ اللہ کی ذات انسان کے دل پر نظر رکھتی ہے۔ ہماری نظر میں جو اللہ کے دین کا مقام ہے، وہی مقام اللہ کی نظر میں ہمارا مقام ہے۔ ہم آج اللہ کے دین کے ساتھ جو معاملہ کر رہے ہیں، کل ہمارے ساتھ اللہ وہی معاملہ کرے گا۔

لوگ مکہ میں حج کرنے کے لیے جاتے، تجارت ہوتی۔ اگر اللہ کے نبیؐ مکہ رہ جاتے تو مکہ دُنیا کا ہیڈ بن جاتا لیکن مکہ والوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری۔ مکہ تو الحمد للہ آج بھی ہے لیکن اللہ نے ان لوگوں کو ختم کر دیا جنہوں نے اللہ کی ناشکری کی۔ سورۃ الانعام آیت 42 اور سورۃ الاعراف آیت 95 میں بھی ہم نے یہی بات پڑھی کہ جب اللہ اپنے نبیوں کو بھیجتا ہے اور جو قومیں نہیں مانتیں تو پہلے چھوٹے چھوٹے عذاب آتے ہیں، تاکہ غفلت سے جگایا جاسکے اور پھر جب نہیں مانتے تو بڑا عذاب آجاتا ہے۔ آخری آیت سے صاف لگ رہا ہے کہ یہ مکہ کی کہانی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۳﴾

اُن کے پاس ان کی اپنی قوم میں سے ایک رسول آیا مگر انہوں نے اس کو جھٹلادیا آخر کار عذاب نے اُن کو آلیا جبکہ وہ ظالم ہو چکے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے تھے، ان ہی جیسے انسان تھے۔ کھاتے، پیتے تھے، انہی کی زبان بولتے تھے لیکن پھر بھی انہوں نے نہ مانا، انہوں نے نبی کو جھٹلادیا۔ دو طریقوں سے جھٹلایا جاتا ہے ایک زبان سے اور ایک عمل سے۔ مثال کے طور پر میں آپ سے کہوں کہ یہ کرسی ٹوٹی ہے اس پر مت بیٹھیں۔ آپ میں سے کچھ لوگ یہ کہیں گے ہم تو بیٹھیں گے اور کوئی ایک بیچ میں سے زبان سے کچھ نہ بولے اور آکر کرسی پر بیٹھ جائے، انجام دونوں کا ایک ہوگا۔ ایک نے قول سے جھٹلادیا اور ایک نے فعل سے۔ آج ہم نے بھی اللہ کے نبیؐ کی باتوں کو جھٹلایا ہوا ہے۔ اللہ کے نبیؐ کا کلام ہمارے ہاتھوں میں ہے، ان کی

باتیں اور ان کے فضائل ہمارے پاس ہیں۔ لیکن ہم نے کہاں ان کو پکڑا ہوا ہے۔
فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ پھر پکڑ لیا انکو عذاب نے۔ **وَهُمْ ظَالِمُونَ** اور وہ ظالم تھے۔ بڑا ہی سخت سبق تھا۔
 ناشکرے لوگوں کو نعمتیں نہیں ملتیں۔

خود سے پوچھئے میں کس حد تک شکر گزار ہوں۔ اللہ نے ہر وہ نعمت جو آپ کو دیں اسے سامنے رکھیں اور خود سے پوچھیں، کیا مجھے اس نعمت کی قدر ہے۔ ہم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کرتے ہیں۔ کثرت میں امت کا کیا حال ہے، قدر ہو رہی ہے یا ناقدری۔ اگر ہم نے اس دین کی اور اپنے نبی کی قدر کی ہوتی تو آج ہم دنیا کے بے تاج بادشاہ ہوتے۔ ہم خود رسوا ہوئے اور ہم نے اپنی نسلوں کی غلامی خود ان کے مقدر میں کی۔ ہم خود لوگوں کو مجبور کر رہے ہیں کہ ہماری نسلوں کو غلام بناؤ۔ اگر آج بھی ہم نے اپنی آنکھیں نہ کھولیں اور دین کو پھیلانے کا مقصد لے کر آگے نہ بڑھے تو اس کی سزا آنے والی نسلیں بھگتیں گی۔ پچھلی صدی کے مسلمانوں پر جو غفلت چھائی آج اس کی وجہ سے بنجر نسلیں ہیں۔ آج اگر نسلوں کو دیکھیں تو ان کے چہرے، حالِ حلیے سے لگتا ہی نہیں ہے کہ ان کو دین سے کوئی رغبت ہے۔ ان چند لوگوں کو چھوڑ کر جو مسجدوں میں آتے نظر آتے ہیں۔ کبھی سڑکوں میں، بسوں میں اپنی نسلوں کو آتے جاتے دیکھیں۔ دل اتنا جلتا ہے کہ انسان کہتا ہے یا خود کو مارے یا ان کو پکڑ کے مارے۔

کتنی صفات ہیں **اٰمِنَةٌ مُّطْمَئِنَّةٌ** جیسے اردو میں کہتے ہیں امن و اطمینان۔ لباس کی بات اس لیے آئی کہ جب لباس پہنتے ہیں تو ہر طرف سے ڈھانپ لیتا ہے۔ اُمت مسلمہ پر جو مشکلات

ہیں اس آیت سے ان کا حل ڈھونڈنا ہے۔ اگر ہم اسلامی قوانین کو اپنی معیشت پر لاتے تو حالات مختلف ہوتے لیکن کہ ہم نے اسکی قدر نہ کی تو نتائج صفر ملیں گے۔

سود حرام ہے اور ہم نے اس کو کھلے عام پیش کر دیا۔

مرد کی دوسری شادی حلال ہے لیکن ہم اس کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ بیوہ یا مطلقہ عدت کے بعد شادی کرے ، اس کی اجازت ہے۔ قرآن میں کہا کہ اکیلے لوگوں کے نکاح کر دو لیکن آج ہم نے اس کو کس طرح سے حرام کیا ہوا ہے۔

اگلا سبق حلال کو حلال اور حرام کو حرام بنانے والا ہے۔ خود سے پوچھئے کہ میری ترجیحات کیا ہیں۔